چھٹا باب

صحافت

جنرل ضیاء الحق کے دس سالہ دور میں صحافت مختلف مرحلوں سے گزری۔ ابتدائی دور میں روزنامہ مساوات، صداقت اور ہفت روزہ نصرت بند ہوا۔ اخبارات پر سنسر شپ نافذ کی گئی۔ نومبر ۱۹۷۹ء کے انتخابات کے التوا کے بعد نظریہ پاکستان کے مخالف جرائد و رسائل کو بند کر دیا گیا۔ ان اقدامات کا مقصد بقول صدر مملکت کے "غیر ذمہ دارانہ صحافت" اختیار کرنے والے اخبارات کو "راہِ راست" پر لانا تھا۔

حکومت کی کوشش تھی کہ ملک میں ذمہ دار صحافت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جنرل ضیاء الحق نے اخبارات کو اسلامی نظام کے فروغ میں کردار ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر تمام قومی اخبارات نے عمل کیا۔ اخبارات سے فلمی ایڈیشن اور عریاں و فحش مواد کی اشاعت بند ہوئی اور صاف ستھری خبریں اور تصویریں شائع ہونے لگیں۔

چونکہ ذرائع ابلاغ میں ریڈیو اور ٹیلیویژن بھی شامل ہیں۔ اس لیے ان کا قبلہ بھی درست کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ وہاں سے اذانیں نشر کرنے کا اہتمام ہوا۔ بغیر دوپٹہ اناؤنسروں کو دوپٹہ سر سے اوڑھنے کی ہدایت ہوئی۔ ان کے پروگراموں میں اسلامی انگ جھلکنے لگا اور بے حیائی اور عریانی کا پرچار بند ہوا۔

صحافت اور آزادیٔ صحافت کے بارے میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے خیالات اور تصورات اِس تقریر میں ملاحظہ کیجیے۔

"صحافت جس کا کام معاشرے میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنا ہے، پہلے خود ذمہ دارانہ چلن اختیار کرے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ذمہ دارانہ صحافت پر نہ تو کوئی پابندی ہے اور

نہ کبھی آئندہ پابندی لگائی جائے گی۔ یہ سنسر شپ جسے آپ کبھی پری سنسر شپ ______

کبھی سیلف سنسر شپ اور کبھی SILENT CENSORSHIP کہتے ہیں، صرف ان

اخبارات کے لیے ہے جو غیر ذمہ دارانہ صحافت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ذمہ دار اخبارات پر

کوئی پابندی نہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں، لکھ رہے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لکھتے ہیں۔ آپ ان

اخبارات کے اداریئے اور مضامین اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ان میں حکومت پر تنقید بھی ہوتی ہے،

لیکن ہم اس سے ہرگز نہیں تلملاتے۔ میری ذات پر، میرے عہدے پر اور میرے رفقائے کار پر

کافی تنقید ہوتی ہے۔ اسے بھی ہم بڑی خندہ پیشانی سے تسلیم کرتے ہیں۔ انتظامیہ پر بھی تھوڑا

بہت کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ انتظامیہ پر کچھ صحیح نکتہ چینی بھی ہوتی ہے، اس کا ذکر میں بعد میں

کسی وقت کروں گا، لیکن ہم نے اخبارات پر کبھی کسی قسم کی برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ نہ ہم نے

کوئی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ہاں البتہ اپنی پریس کانفرنس میں، میں نے تھوڑی سی کھینچاتی ضرور کی۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں یکلخت کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے صرف اشارۃً

کچھ عرض کرنے کی کوشش کی تھی کہ صحافی اقتدار کی پائمالی، افراتفری پھیلانے اور نظریہ اسلام کی

بے حرمتی پر ہم ناراض ہوتے ہیں۔ آپ بھی استحکام کا خیال رکھیئے۔ سچائی کو اپنا لیجئے، سیاسی

اور اخلاقی فحاشی سے باز رہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔

یہی اقدار ہم دوسرے شعبوں میں نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن صحافت سے ہمیں بہت

زیادہ توقعات ہیں۔ کیونکہ ملک میں شرح خواندگی کم ہونے کے باوجود معاشرے میں اخبارات

کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔ شاید آپ کو اس بات کا علم ہو کہ ایک ہی اخبار ایک

خاندان پورا پڑھ کر پھر اپنے پڑوس میں بھی پڑھنے کو دیتا ہے۔ طالب علم ایک ہی

اخبار خریدتے ہیں اور دس دس مل کر اس کو پڑھتے ہیں۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے

کہ طالب علم ایک اخبار پڑھ کر پھر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایک ساتھی تین دن

سے غائب رہا ہے چوتھے دن آ کے ان چاروں اخبارات کو اس طرح پڑھتا ہے جیسے کوئی

بھوکا شخص روٹی چباتا ہے۔ یہ آپ کے اخبارات کی وقعت و اہمیّت ہے۔ ملک میں شرح خواندگی کم ہونے کے باوجود معاشرے میں اخبارات کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔

اب آپ ایک آدمی کو لیجئے جو پشاور سے گاڑی میں سوار ہوتا ہے اور اخبار راستے میں نہیں خریدتا تو میرے نکتۂ نگاہ سے پشاور سے کراچی تک سفر کے دوران اُسے ہر جگہ امن و امان ملے گا اور وُہ خوش خوش گھر میں داخل ہوگا، لیکن جب وہ گھر میں پڑا ہوا اخبار دیکھے گا تو ششدر رہ جائے گا اور کہے گا کہ یا خدا! کیا یہ میرے ہی ملک کا اخبار ہے۔ کیا یہ ساری افراتفری، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، چوری، ڈکیتی اسی ملک میں ہو رہی ہے۔ اخبار دیکھ کر اس کے دل میں وسوسے جنم لیں گے اور وہ اپنے بچّوں اور اپنے ملک کے مستقبل کے بارے میں ضرور فکرمند ہوگا۔

اخبارات کا کام میرے نکتۂ نگاہ سے وسوسے ڈالنا نہیں، خدشات پیدا کرنا نہیں بلکہ ملک و قوم میں اعتماد پیدا کرنا ہے۔ عوام کے یقین کو محکم بنانا ہے اور ملک کی تعمیر کے لیے عوام کو اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر آمادہ کرنا ہے۔ جب اخبارات یہ تاثر دینے لگیں گے کہ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟ تو کوئی شخص تعمیرِ نو میں کیا دلچسپی لے گا! ہاں میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اخبارات کا کام عوام کی تکالیف کو حکومت تک پہنچانا ہے۔ لیکن یہ یک طرفہ ٹریفک نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ عوام کی تکالیف حکومت تک پہنچائیں اور حکومت کا نکتۂ نظر یا اس کی کارگزاری بھی عوام تک پہنچائیں۔ لیکن ایسا شاید نہیں ہو رہا ہے۔ آپ اخبارات کے شکایات ایڈیشن دیکھ لیجئے۔ شکایات چھاپنے میں ایک سے ایک سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہے اور ان میں سے ایک بھی اخبار ایسا نہیں جو متعلقہ ادارے یا محکمہ سے یہ تصدیق کرانے کی زحمت گوارہ کرے کہ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ میں اخبارات میں شائع ہونے والی شکایات خود پڑھتا ہوں۔

اخبارات اور ان کی آزادی کا تعیّن ملک کے مجموعی معاشرتی حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ معاشرہ تو بیسویں صدی میں ہو اور اخبارات اکیسویں صدی کے نظریات اپنانے

کی کوشش کریں یا معاشرہ تو ابھی زمین پر رہ رہا ہے اور اخبارات آسمانوں کی باتیں کرنے لگیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اخبارات کی آزادی معاشرے کی ارتقائی منزل سے منسلک ہے۔ پسماندہ معاشرے میں صحافت کو دشواریاں درپیش ہوتی ہیں۔ لیکن جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ اخبارات کی آزادی بھی روز بروز بڑھتی ہے۔ لہٰذا آپ کے اور میرے ملک میں جہاں سیاسی بالغ نظری کا فقدان ہے، معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس کم ہے یا شہری آزادیاں مشروط ہیں۔ وہاں آپ اخبارات کی مادر پدر آزادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کو معاشرے کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ معاشرہ آپ کے لیے آب و گل نہیں، آپ کے پاؤں کی زنجیر بھی ہے۔ آپ ان بیڑیوں کو اتار کر پھینک نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ اس معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس معاشرے میں زندہ رہتے ہیں اور اس معاشرے میں اخبارات بھی بیچتے ہیں۔ آپ کی خبریں، آپ کے اداریئے آپ کے تبصرے، آپ کے شذرے اس معاشرے میں رہنے والوں کے لیے ہیں۔ لہٰذا آپ کو اس معاشرے کی مجبوریوں اور پابندیوں کے پس منظر میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ جب معاشرہ ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے سنجیدگی، بلوغت اور بلند نظری کی سطح پر پہنچ جائے گا تو اخبارات بھی متین اور بالغ نظر ہوں گے اور آزادانہ کردار ادا کر سکیں گے۔

اس دور میں ہم جب کبھی کبھی سیلف سنسر شپ یا سائیلنٹ سنسر شپ کی تہمت اپنے سر لیتے ہیں تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اخبارات ہمارے معاشرے کی ارتقائی منزل کو نظرانداز کرتے ہوئے، ایسی ہواؤں کا تعاقب کرنے لگتے جو ہماری فضاؤں میں شامل نہیں۔ لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ آپ معاشرے کے ساتھ ساتھ چلیئے جو چاہے لکھیئے، جو جی چاہے چھاپیئے لیکن حالات سے تجاوز کر کے نہیں بلکہ ان سے باہم پیوست ہو کر۔ اس طرح آپ کو بھی سہولت رہے گی اور دوسروں کا بھی بھلا ہو گا جیسا کہ میں نے آپ ذکر کیا ہے میں نے اپنے آپ کو کبھی صحافی تصور نہیں کیا ہے میرے خیال میں سب سے مشکل کام صحافی کا ہے۔ ۳۵ سال میں نے فوج میں گزارے ہیں اور جس وقت یہ موجودہ ذمہ داریاں ہم نے سنبھالی ہیں تو آپ یقین

کیجئے اگر مجھے کسی ادارے یا کسی شخص سے کچھ ڈر تھا تو وہ اخبارات اور صحافیوں سے تھا کیونکہ ہم نے فوجی زندگی میں یہ تعلیم حاصل کی تھی کہ "کسی جنرل کا سب سے بڑا دشمن اخلاقات عامہ ہے"!

تو میں اس سلسلے میں بڑا محتاط رہا۔ لیکن اس موجودہ ذمہ داریوں کے تحت میں نے یہ سوچا، دیکھا اور تجربہ کیا کہ آدمی کی اپنی پبلک ریلیشننگ تو اس کی مخالف ضرور ہو سکتی ہے لیکن صحافی اگر صحیح معنوں میں رائے عامہ حاصل کرنا چاہیں یا آپ رائے عامہ سنوارنا چاہتے ہیں تو صرف ایک ہی ادارہ ہے جو یہ کام کر سکتا ہے اور وہ ہیں صحافی حضرات اور اخبارات۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جتنی قدر اور منزلت میرے دل میں اخبارات کی صحافت کی ہے وہ شاید ہی کسی اور پیشے کی۔ آج یہاں آنے سے پہلے میں نے کچھ دو ایک کتابیں منگوائیں کہ بھئی کچھ جرنلزم (صحافت) کے بارے میں معلومات ہو جائے تاکہ کوئی تقریر کرنی پڑ جائے یا کوئی سوال اٹھ جائے تو جواب میں مدد ملے۔ میں انگلستان میں چھپنے والی کتاب کا سرسری مطالعہ کر رہا تھا تو اس کا جو ابتدائیہ باب ہے اس میں مصنف کہتا ہے کہ آج تک انگلستان کی تاریخ میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں ملی۔ جس کو ایک صحافی کی نذر کیا جا سکے کہ جناب یہ آپ کے لیے گائیڈ لائن ہے میں بڑا خوش ہوا۔ میں نے کہا بھئی انگلستان اور پاکستان میں تو ایک ہی جیسی پوزیشن ہے میں نے فوراً دیکھا کہ یہ کتاب چھپی کب ہے۔ افسوس ہوا کہ آج سے کوانیس سال پہلے یعنی ۱۹۶۳ء میں یہ کتاب چھپی تھی۔ بہت اچھی کتاب ہے جرنلزم (صحافت) کی کتابوں سے میری دلچسپی اس وقت ہوئی۔ جب میں ۱۹۷۳ء میں ایک بڑے کورٹ مارشل کی صدارت کر رہا تھا اور میں صحافی حضرات بھی تھے۔ آج پتہ نہیں وہ صحافی یہاں موجود ہیں یا نہیں وہ اپنا اپنی کی طرف سے کورٹ مارشل کی کارروائی قلم بند کرتے تھے۔ اس کی صدارت میرے ذمہ

تھی۔ صحافیوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو صحافت سے بھی کچھ دلچسپی ہے؟ میں نے عرض کیا جناب کوئی دلچسپی نہیں، البتہ کتابیں پڑھنے سے دلچسپی ہے تو انہوں نے مجھے ایک کتاب دی۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی۔ آپ یقین کیجیے میں نے تین دفعہ اس کو پڑھا اور یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے اس کے بعد مجھے جو بھی میرا ساتھی ملا ہے یا جب کبھی بھی کوئی صحافی حضرات ملے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ کتاب ضرور پڑھیں۔

آج میں نے صحافت پر جو دو ایک کتابیں دیکھی ہیں ان کا لب لباب کچھ آپ سے زبانی عرض کروں گا۔ میں نے ابھی چند نکتے لکھے ہیں۔ اہم چیز یہ ہے کہ جب تک آپ کسی شخص کو اس کے پیشے سے متعلق ٹریننگ نہیں دیں گے تو آپ اس سے تسلی بخش کام کی توقع نہیں کر سکتے۔ جب تک ایک فوجی کو آپ شروع سے ٹریننگ نہیں دیں گے تو وہ وردی تو پہن لے گا لیکن وہ اپنے پیشے سے متعارف نہیں ہو سکے گا اسی طرح اگر آپ صحافی کو قلم کاپی پکڑا دیجیے گا تو وہ ایک دو خبریں تو ضرور بنا لے گا لیکن صحافی نہیں بن سکے گا اسی کتاب کے اندر ایک اور چیز کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ آل انگلینڈ یا یو کے کی یونین آف جرنلسٹ یا اس طرح کا ادارہ، جیسے اے۔ پی۔ این۔ ایس یا آل پاکستان نیوز پیپر ایسوسی ایشن ہے ایسے ہی چند ایک اداروں نے مل کر ۱۹۷۳ء میں وہاں ایک ادارہ قائم کیا ہے جو آئندہ آنے والے صحافیوں کی تدریس کے فرائض انجام دے گا۔ مجھے امید ہے آپ نے بھی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے لیے پاکستان میں کچھ ایسے ادارے قائم کیے ہوں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کو پنجاب یونیورسٹی میں جرنلزم کا شعبہ کا شعبہ ملے گا۔ قائداعظم یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات کا شعبہ کافی فعال ہے۔ کراچی یونیورسٹی میں بھی صحافت کا شعبہ موجود ہے لیکن پرائیویٹ اداروں میں ایسا کوئی بندوبست نہیں۔ میں آپ سے گذارش کروں گا کہ اے پی۔ این۔ ایس آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی، اس چیز کی طرف بھی توجہ کرے کہ کوئی چھوٹا سا پرائیویٹ ادارہ

بنائے۔ جہاں صحافیوں کو تربیت دی جاسکے۔ صحافیوں کو صحیح معنوں میں تربیت دینے کے لیے اگر کوئی ادارہ قائم کریں تو میں بھی آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ ادارہ قائم کریں چونکہ آج کی محفل میں ملک کے چیدہ چیدہ ایڈیٹر اور صحافت سے وابستہ اہم شخصیتیں موجود ہیں

ایک صنعت ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں اور ہر صنعت کی طرح یہ صنعت بھی اپنی پیداوار زیادہ سے زیادہ گاہکوں کے ہاتھ بیچ کر زیادہ سے زیادہ پیسے کمانا چاہتی ہے میں اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔ بلکہ یہ صنعت یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ اس کی مصنوعات جتنی جلد تیار ہوسکتی ہیں اتنی جلدی ہاتھوں ہاتھ بک بھی جاتی ہیں۔ یہ مطالبہ بھی اپنی جگہ بجا ہے کہ اس کو خام مال یعنی نیوز پرنٹ اور سیاہی وغیرہ سستی ملنی چاہیئے تاکہ اس کی پیداواری لاگت ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ سستے سے سستا اخبار خرید سکیں۔ ایڈیٹر حضرات جو کہ اخبار مالکان بھی ہیں جیسا کہ اے پی۔ این۔ ایس ہے اس صنعت کو زیادہ سے زیادہ منافع بخش بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ اچھے اچھے رپورٹر بھرتی کرتے ہیں تاکہ وہ تازہ بہ تازہ خبریں لاسکیں، وہ اچھے سے اچھا ایڈیٹوریل اسٹاف رکھتے ہیں۔ پرچے کو دلکش بھی بنایا جاتا ہے اور ایسے مینیجر کا تقرر کیا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ اشتہار حاصل کر سکے تاکہ پرچے کو مجموعی طور پر مالی استحکام پہنچے۔ اخبار کی اشتہارات سے آمدنی اس کی سرکولیشن کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے بعض لوگ اسے دو ایک کی نسبت دیتے ہیں اور بعض اسے چار اور ایک کی نسبت دیتے ہیں آپ کا علم اس سلسلے میں زیادہ ہوگا۔

میں نے اب تک جو کہا ہے وہ صرف ایک نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے اور وہ نقطۂ نظر ایک صنعت کار کا نقطۂ نظر ہے دوسرا نقطۂ نظر جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ایک سوشل سروس (سماجی بہبود) اور ایک مشنری جذبے کا نظریہ ہے جو ملک و قوم کے لیے انتہائی ضروری ہے اور میں اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں سوشل سروس کا صرف یہی تقاضا نہیں کہ آپ قارئین کے خطوط چھاپ دیں یا شکایات

ایڈیشن شائع کردیں یا بلامعاوضہ کالم چھاپ دیں سوشل سروس کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنی سروس یا پیشے کے مفادات کو معاشرے کے مفادات کے تابع رکھیں۔ مثال کے طور پر کہ ایک اخبار کے صنعتی مفاد کا کاروباری تقاضا ہے کہ کسی شریف خاندان کی بدنصیب لڑکی کے اغوا یا اس کے چال چلن کے متعلق اگر کچھ شبہات ہیں تو اس کو خوب چسکے لے لے کر چھاپا جائے اور اسے تصویرات سے مزین کیا جائے اس کے برعکس معاشرے کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شریف خاندان کو یوں رسوا نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ کو ذرا بھر بھی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے کہ آپ کو کس مفاد پر ترجیح دینی چاہیئے یہی حال ذاتی اور قومی مفاد کا ہے کہ آپ قارئین کو صرف وہی کچھ پیش نہ کریں جو وہ مانگتے ہیں۔ اس کے خلاف میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو پڑھنے والے مانگتے ہیں وہ انہیں مت دیجیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ معاشرے یا قوم کے رہنما ہیں۔ میں آپ کو رہنما تصور کرتا ہوں آپ کا کام رہنمائی کرنا ہے۔ عوام کے ذوق کے پیچھے بھاگنا نہیں۔ عوام آپ کے پیچھے بھاگیں گے للّٰہ میری اس بات کا یقین کیجیے۔ اخبار آپ بیچتے ہیں لیکن نبض شناس میں بھی ہوں۔ لوگ آپ کے اخبار کے پیچھے بھاگیں گے۔ بشرطیکہ آپ انہیں صحیح رہنمائی مہیا کریں گے۔ اگر آپ سرخی اس لیے لگاتے ہیں یا زیبائش اس لیے کرتے ہیں کہ قارئین اسے پسند کرتے ہیں یا نیم برہنہ تصویر اس لیے چھاپتے ہیں کہ قارئین اسے پسند کرتے ہیں یا نیم برہنہ تصویر اس لیے چھاپتے ہیں کہ خریدار اسے پسند کرتے ہیں یا ہلڑ بازی یا تماشے اس لیے چھاپتے ہیں کہ قارئین اسے پسند کرتے ہیں تو پھر آپ قیادت نہیں کر رہے ہیں۔ عوام کا گرتا ہوا ذوق آپ کی رہنمائی کر رہا ہے آپ عوام کی رہنمائی نہیں کر رہے ہیں۔ خدارا میری اس گفتگو کا ہرگز یہ مطلب نہ سمجھئے کہ میں عوام کی رائے کی نفی کر رہا ہوں یا اسے گھٹیا کہہ رہا ہوں یہ ہرگز نہیں۔ میں عوام کے شعور ادراک کی بصیرت کا تہہ دل سے قائل ہوں۔ وہ ملکی معاملات میں جو رائے رکھتے ہیں میں اس کی قدر کرتا ہوں میں آپ کو آپ کا فرض یاد دلانے کی

کوشش کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ عوام کی نسبت زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ آپ کے پاس ملکی وغیر ملکی معاملات کے بارے میں زیادہ معلومات ہیں اور مجھے یہ حسن ظن ہے کہ آپ کا ذوق بھی عام شہری کی نسبت زیادہ نکھرا ہوا ہے لہذا آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ عوام کی رہنمائی کرنے اور ان کے ذوق کو نکھارنے کا فریضہ بھی انجام دیں گے۔ یہ ایک بہت اہم مشن۔ ایک عظیم سوشل سروس ہے مجھے امید ہے کہ آپ اپنے کاروباری مفاد کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اس مشن کی طرف بھی توجہ دیں گے۔

میں آخر میں ایک مختصر قصہ سنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے ہاں پریس سنسر شپ عائد ہے جب میرا باہر جانا ہوا تو وہاں کے کچھ صحافی حضرات سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ جناب آپ دیکھئے ہمارے ہاں انگریز جرنلسٹ بھی ہیں، امریکی بھی ہیں۔ ہندوستان کے ہیں پاکستان کے بھی ہیں اور دیکھئے کیا دھڑا دھڑ اخبارات چھپ رہے ہیں کل کے اخبار میں آپ کی بھی تصویریں نظر آئیں گی۔ میرا اس ملک جانے کا پہلا موقع تھا۔ میں بھی بڑا متاثر ہوا۔ شام کو وہاں کی ایمبیسی کے پریس سنٹر سے جب اخبارات کا پلندہ لا کر دیکھا تو جناب اس میں اخباروں کو نہایت زبردست طریقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے جاذب نظر اخبارات تھے اور نہایت اچھے کالم تھے لیکن میں نے شروع سے آخر تک دیکھا کہ جس ملک وہ اخبارات چھپے اس ملک کی خبر ہی کوئی نہیں تھی، نہ کوئی اچھی نہ کوئی بری۔ اگلے دن میں نے پوچھا کہ بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس ملک میں اخبار چھپے وہاں کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ کوئی ایکسیڈنٹ ہی ہوا ہو گا۔ کہیں کوئی تھوڑی بہت خبر تو آنی چاہیئے۔ ہاں اس میں اسناد سفارت پیش ہونے کی خبریں تھیں یہ کچھ کتابوں کی نمائش کی خبریں تھیں اور کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ بعد میں جب تفتیش کی تو معلوم ہوا۔ ان کا جو پریس اینڈ پبلیکیشنز کا ادارہ ہے، اس نے وہاں کے چھپنے والے اخبارات سے ایک معاہدہ کیا ہے کہ دیکھئے جناب آپ کو کھلی چھٹی ہے آپ جو مرضی ہو چھاپیئے، جو مرضی

ہو قیمت رکھیئے، جو مراعات آپ حکومت سے چاہتے ہیں نیوز پرنٹ کی، سیاہی کی، آپ کو سب ملیں گی۔ دوسرے انعامات بھی اگر آپ چاہیں تو حکومت دے سکتی ہے لیکن آپ ہماری خبر نہیں چھاپیں گے۔ اخبار میں اس ملک کی کوئی خبر نہیں چھپتی۔ اگر اس قسم کی صحافت کی آزادی آپ کو بھی چاہیئے تو میں ابھی دینے کو تیار ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارا معیار کچھ اور قسم کا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کی صحافت انشاء اللہ روز بروز ترقی کرے گی۔ میں ویسے بھی خوش فہم ہوں۔ میں تصویر کا اچھا رخ دیکھنے کا عادی ہوں مجھے امید ہے کہ تصویر کا جو رخ مجھے نظر آ رہا ہے اس سے نہایت اچھے اچھے نتائج نکلیں گے اور پاکستان میں صحافت ایک صحت مند رخ اختیار کرے گی،،

ملک کے ممتاز صحافی جناب محمد صلاح الدین نے ۳۱ رمارچ ۱۹۸۷ء کو کراچی میں نامور صحافی سردار علی صابری کی پریس کے موقع پر "قومی یکجہتی اور ذرائع ابلاغ" کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ میں تقریر کی۔ جس کی صدارت جنرل ضیاء الحق نے کی جناب صلاح الدین نے ملکی صحافت کا تجزیہ حسب روایت بڑے مربوط انداز میں کیا۔ انہوں نے کہا۔

"ہم مسلمانوں کا قرآنی تعارف، ہماری اصل شناخت اور ہمیں عطا کیے جانے والے اقتدار کا تو مقصد ہی یہ ہے۔ کہ ہم نیکی کو پھیلانے اور برائی کو مٹانے والے لوگ ہیں ہم نے اپنی ذمہ داریوں کے اسی شعور و احساس کے تحت قائداعظم پریس کنونشن کے موقع پر ۸ر مئی ۱۹۸۳ء کو مزار قائد پر حاضر ہو کر یہ اجتماعی حلف اٹھایا تھا کہ

۱۔ ہم مسلمان صحافی کی حیثیت سے نیکی کو پھیلانے اور برائی کو مٹانے کا فریضہ پوری دیانتداری جرأت مندی اور خدا و خلقِ خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ انجام دیں گے۔

۲۔ ہم پاکستان کی حفاظت و سلامتی، ترقی و بقاء اور اس کے نظریاتی کردار کے

کے لیے، بستیاں اجاڑنے، املاک نذر آتش کرنے شہریوں کو کلاشنکوف سے بھوننے بموں سے اڑانے، ان کی آبرو لوٹنے، ڈاکے ڈالنے اور امن وامان تباہ کرنے والوں کو، تعلیمی اداروں کو غنڈہ گردی کے مراکز اور اسلحہ خانوں، شراب خانوں، قحبہ خانوں اور ڈاکوؤں کے اڈوں میں تبدیل کرنے والوں کو "قومی ہیرو" "سیاسی کارکن" اور "مجاہدین جمہوریت" باور کرانے اور عام شہریوں کے مقابلے میں ان عناصر کی تشہیر اور ان کے "اقوال عالیہ" کی تبلیغ اور ان کی حفاظت کی آزادی کا طلب گار ہے یا اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے قوم کے اخلاق کو فحاشی و عریانی کے زہر سے مسلسل ڈسنے اور اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی "آزادی" کا خواہاں ہے تو ہمیں اس مطالبۂ آزادی کو پوری جرأت سے مسترد کرنا ہوگا اس آزادی پر قدغن لگانی ہوگی۔ یہ پابندی رضا کارانہ طور پر ہو تو سب سے بہتر اور لائق تعریف وتحسین، لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکے تو ملک وملت کو اس سیلاب ہلاکت میں بہنے کے لیے بے حفاظت نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کے لیے پابندیوں کے بند باندھنے ہوں گے جو اس پر چیخ وپکار کرتا ہے وہ بھی ظالم اور جو کسی مصلحت یا مداہنت کی بنا پر اس ذمہ داری سے پہلوتہی کرتا ہے۔ وہ بھی مجرم اور ظالموں کا محافظ وسرپرست۔

آج ہماری صحافت ذہنی انتشار، مایوسی اور اخلاقی زوال کا ذریعہ بن گئی ہے ریڈیو اور ٹیلی وژن کی سمتِ قبلہ ہر لمحہ بدلتی اور ہماری گردن ادھر ادھر گھماتی رہتی ہے ہمارے ذرائع ابلاغ میں کسی نظریاتی ریاست کا سا ربط ورنگ دکھائی نہیں دیتا۔ ہم دعویٰ نظریاتی مملکت ہونے کا کرتے ہیں اور ہماری پالیسیاں ایک سیکولر ریاست کے اس فلسفے پر مبنی نظر آتی ہیں کہ "کھاؤ پیو موج اڑاؤ"۔ نظریاتی ریاست غیر جانبدار نہیں ہوتی۔ مختلف عقائد ونظریات بلکہ قطعی متضاد افکار وخیالات کو اگر کھلی چھٹی ملی رہے تو کسی ریاست کے نظریاتی کردار کا تحفظ نہیں کیا جاسکتا۔

پریس کی اپنی بقا بھی ایک مضبوط اور مستحکم قومی ڈھانچے ہی میں ہے قوم وملک

کی اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، صنعتی اور معاشرتی ترقی ذرائع ابلاغ کی ذمہ دارانہ کارکردگی سے پھیر پاتی ہیں اور قومی، صنعتی، اقتصادی، سیاسی و معاشرتی ترقی سے ذرائع ابلاغ کو فروغ ملتا ہے۔ قومی استحکام اور ذرائع ابلاغ کا استحکام ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ قومی یکجہتی کا شیرازہ منظم نہ ہو تو مضبوط، توانا اور مستحکم ذرائع ابلاغ کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ قومی سطح کے مقاصد، اہداف، تمنائیں اور امنگیں نظروں سے اوجھل ہو جائیں اور محدود علاقائی سوچ سیاسی منظر پر چھا جائے تو قومی سطح پر فروغ پانے والا ہر ادارہ علاقائی سوچ کی تقسیم کے مطابق ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے دوچار ہونا شروع ہو جاتا ہے ذرائع ابلاغ بھی علاقائی مفادات کی اس جنگ میں اپنا یک جان قومی وجود کھونے لگتے ہیں۔ ملکوں کی سالمیت اور یکجہتی برقرار نہ رہ سکے اور وہ چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں بٹ جائیں تو ذرائع ابلاغ کا حلقہ اشاعت و سماعت محدود ہو جاتا ہے حلقۂ اشاعت و سماعت سکڑ جائے تو ان کے معاشی وسائل بھی مختصر ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ وسیع اور بڑے اداروں کا تشخص کھو بیٹھتے ہیں یوں تجزیہ کیا جائے تو ملکوں کی سلامتی اور علاقائی یکجہتی سے ذرائع ابلاغ کی اپنی سلامتی اور یکجہتی بھی وابستہ ہوتی ہے۔

تخریبی قوتوں اور تشدد پسند رجحانات اور تحریکوں کی حوصلہ افزائی خود پریس کی آزادی کو سلب اور محدود کرتی ہے۔ بندوق بردار دستے ابتداً حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے پریس کی آزادی کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں اور منظم و طاقتور بن جانے کے بعد وہ اخبارات کے دفاتر پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کے مالکان، ایڈیٹروں اور عملے کے ارکان کو قتل، اغوا اور تباہ کاری کی دھمکیاں دیتے ہیں اس نقطہ نظر سے یہ ذرائع ابلاغ کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں کی علاقائی، سلامتی، سالمیت اور یکجہتی کے مکمل، محافظ اور ضامن بنیں اور اس فرض کی تکمیل کے لیے یہ

بلند مقام کیوں نہ ہو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔

۴۔ قومیتوں کے نعروں پر مکمل پابندی عاید کی جائے، حقوق کی بات وفاق میں شامل یونٹوں، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے حوالے سے پیش کی جائے اس طرح قومی وحدت وسالمیت پر پڑنے والے مضر اور منفی اثرات کی روک تھام کی جائے۔

۵۔ ذرائع ابلاغ کی اخلاقی تطہیر پر فوری توجہ دی جائے اور جو چیزیں فحاشی وعریانی کے ذیل میں آتی ہیں۔ انہیں برداشت کرنے کی روش ترک کی جائے۔ قومی یکجہتی کے لیے اخلاقی کردار سیمنٹ کا کام دیتا ہے۔ اس سیمنٹ کو کمزور پڑنے سے روکا جائے۔

ذرائع ابلاغ کو نظریاتی ریاست کی ضرورتوں سے ہم آہنگ اور مربوط بنانے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

جناب صدر اور معزز حاضرین میں طویل سمع خراشی کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں، وقت کے استعمال میں بے رحمانہ تصرف کے لیے بھی آپ سے معافی کا خواستگار ہوں مجھے یہ سب کچھ عرض کرنے کا حوصلہ اس لیے ہوا کہ خوش قسمتی سے اس وقت ملک کی زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو واضح نظریاتی شعور، شناخت اور ملک کے عام سیاسی منظر کو تبدیل کرنے کی قوت وصلاحیت رکھتے ہیں جنہوں نے سیاسی سفر کی بگڑی ہوئی سمت کو تبدیل کر کے اس کا قبلہ درست کیا۔"

صدر نے ۱۱ جنوری ۱۹۸۲ء کو مجلس شوریٰ کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے روزناموں پر سے پری سنسر شپ اٹھا لینے کا اعلان کیا۔ صدر نے کہا کہ روزنامے اب اس حکم کی روشنی میں خود ہی سنسر شپ پر عمل کریں۔ جو ساتھ ساتھ جاری کیا جا رہا ہے تاہم صدر نے وضاحت کی کہ سیاسی ونیم سیاسی اور غیر ادبی ہفت روزوں اور ماہناموں پر پری سنسر شپ برقرار رہے گی صدر نے ان چار رہنما اصولوں کو بھی بیان کیا جن پر روزناموں کو عمل کرنا ہوگا۔

"کسی ایسے مواد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی جو

۱۔ اسلام کے خلاف ہو۔ نظریۂ پاکستان کے خلاف ہو۔

۲۔ جس سے سلامتی کو خطرہ لاحق ہوتا ہو۔

۳۔ جس سے فرقہ وارانہ یا مذہبی منافرت پھیلتی ہو۔

۴۔ یا جس میں مسلح افواج یا عدلیہ پر بہتان طرازی کی گئی ہو۔

۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو صدر نے کہا کہ معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخبارات کو آزادی حاصل ہوتی جائے گی۔

۲۵ مئی ۱۹۸۲ء کو اخبارات کے مالکان کی انجمن نے فیصلہ کیا کہ ۷ جون سے اخبارات کے فلمی ایڈیشن شائع نہیں کیے جائیں گے۔

صدر نے ۲۸ مارچ ۱۹۸۳ء کو رسائل و جرائد پر سنسر شپ ختم کرنے کا اعلان کیا۔

قومی اسمبلی نے ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو فوجداری قانون کے ترمیمی بل کی منظوری دے دی۔ جس کے تحت مارشل لاء اور فوجداری قانون میں شامل کی جانے والی دفعہ ۴۹۹ ب کو کالعدم قرار دے دیا گیا ہے مارشل لاء حکومت نے اس دفعہ کے تحت فوجداری قانون میں ترمیم کی تھی جس کے مطابق اخبارات میں کسی شخص کے بارے میں ایسا مواد شائع ہونے پر جس سے متعلقہ شخص اپنی اہانت یا ہتک محسوس کرتا ہو، اخبارات کے خلاف کارروائی کی جا سکتی تھی۔

ایک اور اہم بات یہ کہ جنرل ضیاء الحق کے دس سالہ دور میں ملک میں صحافت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ نئے اخبارات و جرائد نکالے گئے ۱۹۷۷ء میں ملک میں کل اخبارات و جرائد کی تعداد ایک ہزار ۷۵۴ تھی۔ جو اب ایک ہزار ۶۴۳ ہے ان میں ۱۹۷۷ء میں ۸۰ روزنامے اور اب ۱۱۸ ہو چکے ہیں۔ البتہ دس سال

پہلے ۱۵۰۳، ہفت روزہ جریدے نکلتے تھے۔ جواب کم ہو کر ۲۴۲۳، رہ گئے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں ۴۰۵، ماہنامے شائع ہوتے تھے جواب بڑھ کر ۶۱۴، ہو چکے ہیں جو صحافت کے فروغ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس دس سالہ دور میں سب سے زیادہ فروغ انگریزی صحافت کو حاصل ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں انگریزی جرائد ۲۴۲ تھے۔ جو اب بڑھ کر ۳۶۲، تک جا پہنچے ہیں۔ جبکہ مذکورہ سال میں اردو جرائد ۸۰۱ تھے جو اب ۸۹۳، ہو گئے ہیں علاقائی زبانوں میں صرف سندھی زبان ہی ایسی ہے جس کی صحافت کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں سندھی زبان کے جرائد ۴۸ تھے جواب بڑھ کر ۸۸۔ ہو گئے ہیں اس کے علاوہ پنجابی زبان کے ۱۹۷۷ء پانچ جرائد تھے۔ جو ۱۹۸۷ء میں کم ہو کر صرف دو رہ گئے ہیں۔ پشتو زبان کے چھ اور بلوچی کے دو جریدے جو دس سال پہلے تھے سو اب بھی ہیں۔



پاکستانی تاریخ کے منفرد ایام، کب کیا ہوا؟

ایک عہد کی داستان

جنرل ضیاء کے دس سال



شبّیر ابن عادل



۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء۔ سابق چیف جسٹس شیخ انوارالحق جنرل ضیاءالحق سے صدارتی منصب سنبھالنے پر حلف لے رہے ہیں۔ سابق صدر فضل الٰہی چودھری مرحوم بھی موجود ہیں۔









